وحیِ غیر ملفوظ

کراچی سے ایک معزز و محترم دوست دریافت فرماتے ہیں کہ :-

(۱) کیا وحی غیر ملفوظ کا (جسے وحی خفی اور غیر متلو بھی کہتے ہیں) کوئی وجود اور کوئی اس کا ثبوت ہے؟

(۲) کیا یہ پیغمبر آخرالزماںؐ کے بعد جاری ہے ؟ اگر ہے تو کیا یہ ختم نبوت کی نقیض نہیں ؟

ثقافت آپ کے سوالات کا مکمل جواب ہمارے ادارے کی ایک مطبوعہ کتاب - مقامِ سنت " میں موجود ہے ان تمام مباحث کے متعلق جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے ابھی تک اس سے آگے کہیں کچھ لکھا نہیں گیا -

بہر حال ہم مختصراً ان سوالوں کا جواب عرض کرتے ہیں -

ہمیں قرآن اور عقل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وحی غیر ملفوظ یا وحی غیر متلو یا وحی خفی کا وجود ہے - اس وحی کے لئے ہم الہام کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض وحی ایسی ہوتی ہے جس کا صرف مفہوم و مقصد ملہَم میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے اظہار کے لئے مُلہَم (جس پر الہام ہو) مناسب الفاظ مہیا کر لیتا ہے - دوسری قسم اس وحی کی ہے جس میں الفاظ بھی القا ہوتے ہیں اُسے ہم تنزیل کہتے ہیں - یہ قسم صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے - لیکن غیر لفظی وحی یعنی الہام غیر انبیا کو بھی ہو سکتا ہے - قرآن کریم میں اس کے واضح اشارات مندرجہ ذیل آیات میں ہیں :-

(۱) واذا وحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی ... الخ (۵/۱۱۱) یعنی میں نے حواریانِ مسیح کی طرف الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ -

(۲) واوحینا الی ام موسی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم، ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین - یعنی ہم نے والدۂ موسیٰ (حضرت یوکبد) کی طرف یہ وحی کی کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دو - تم خوف یا حزن نہ کرو - ہم اسے تمہاری طرف لوٹا دیں گے - اور ہم تو اسے پیغمبر بنانے والے ہیں -

(۳) واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون - یعنی ہم نے یوسف کی طرف (کنوئیں میں گرائے جانے وقت قبل از نبوت) یہ وحی کی کہ تم یہ بات اپنے بھائیوں کو بتا کے رہو گے -

ان تین مثالوں کے متعلق سوال یہ ہے کہ کیا حواریوں کو یہ الفاظ وحی ہوئے تھے کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ؟ کیا حضرت یوکبد پر یہ الفاظ وحی کئے گئے تھے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دو ہم اسے تمہارے پاس لوٹا کر لے آئیں اور اسے پیغمبر بنائیں گے؟ اور اسی طرح حضرت یوسف پر قبل از نبوت یہ الفاظ نازل ہوئے تھے کہ تم اپنے بھائیوں کو یہ بات بتا کے رہوگے؟ — اس سوال کا جواب اگر اثبات میں ہے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ پھر نبی اور غیر نبی میں کیا فرق ہوا اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے — اور یہی ہونا بھی چاہیئے — تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ غیر نبی پر بھی وحی تو ہو سکتی ہے لیکن وہ غیر ملفوظ ہوگی

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر کو بھی یہ وحی غیر ملفوظ یا الہام ہوتا تھا یا نہیں؛ اس کا جواب واضح ہے کہ جب غیر نبی کو یہ الہام ہو سکتا ہے تو پیغمبر کو کیوں نہ ہوتا ہوگا۔ پیغمبر کو جب اس سے اعلےٰ وحی یعنی تنزیل (وحی ملفوظ) بھی ہوتی ہے تو یہ کیوں نہ ہو۔ اس کا بھی ثبوت قرآن حکیم سے ملتا ہے۔ مثلاً

(۱) قرآن کی ترتیب نزول کے مطابق موجودہ ترتیب (جسے ترتیب تلاوت کہتے ہیں) نہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضور نے یہ ترتیب اپنی عقل سے دی یا وحی سے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عقل سے دی تو یہ ترتیب وحی کے مطابق نہ ہوئی اور اگر یہ کہا جائے وحی سے دی ہے تو قرآن میں کہیں اس ترتیب کا ذکر نہیں کہ فلاں سورہ کے بعد فلاں سورہ رکھو اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ ترتیب ایسی وحی سے دی گئی ہے جو لفظی نہ تھی۔ یعنی الہام تھا۔

(۲) قرآن میں ہے کہ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ... الخ وہ وقت یاد کرو جبکہ اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں (قافلۂ تجارت اور جماعتِ بدر) میں سے ایک تمہارے لئے ہوگا اور تم یہ چاہتے تھے کہ جو کمزور گروہ ہے (یعنی قافلہ تجارت) وہ تمہارے قبضے میں آجائے ... الخ

یہاں غور طلب بات صرف یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدہ مسلمانوں سے کیا تھا (کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے قابو میں آجائے گا) وہ یقینا بواسطۂ رسول ہی کیا ہوگا اور رسول سے بھی بواسطۂ وحی یہ وعدہ کیا ہوگا۔ اب اگر یہ وحی ملفوظ تھی تو اسے قرآن میں محفوظ ہونا چاہیئے جو اس آیت کے نزول سے پہلے ہی نازل ہو چکی ہو اور اگر یہ وحی قرآن میں موجود نہیں — اور یقیناً نہیں تو ماننا چاہیئے کہ یہ وعدہ کسی ایسی وحی کے ذریعے ہوا جو ملفوظ نہ تھی۔

(۳) قرآن کریم میں اسی انداز کی ایک آیت اس طرح ہے کہ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر۔ اور یاد کرو کہ جب پیغمبر نے اپنی بعض بیوی کو ایک بات چپکے سے بتائی اور اس نے دوسری کو بتا دی اور اللہ نے پیغمبر کو اس کا حال بتا دیا کچھ بتایا اور کچھ سے اعراض کیا۔ جب پیغمبر نے اس بیوی کو متنبہ

کہا تو اس نے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا - پیغمبر نے کہا کہ مجھے خدائے علیم وخبیر نے بتایا -

اس پورے واقعہ کی تفصیل وتفسیر میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ غور طلب صرف اتنا ہی حصہ ہے کہ راز کی کوئی بات پیغمبر نے ایک بیوی سے کہی - اس نے دوسری سے کہہ دی - اسی افشائے راز کی اطلاع پیغمبر کو اللہ نے دی - اب سوال صرف اتنا ہے کہ اگر ملفوظ طریقے پر یہ اطلاع تھی تو کہیں قرآن میں اس کا ذکر ہونا چاہیئے؛ جو نہیں ہے - لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس اطلاعِ خداوندی کا ذریعہ وحی غیر ملفوظ کو مانا جائے -

ہمارے خیال میں وحی غیر ملفوظ (یا خفی یا غیر متلو یا ہماری اصطلاح میں الہام) کے وجود کے لئے اتنا ثبوت کافی ہے -

اس کے بعد دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس نوع کی وحی کے بند ہو جانے کی کوئی دلیل ہمیں قرآن سے نہ مل سکی - نیز ایسی وحی نبوت کی نقیض نہیں - نبوی وحی یعنی ملفوظ و متلو وحی یا ہماری اصطلاح میں تنزیل اسی وحی غیر ملفوظ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے - الہام کو تنزیل کی نقیض قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مٹی کو درخت کی نقیض کہے اور دلیل یہ دے کہ اگر درخت کو جسم مانتے ہو تو مٹی کو جسم نہ مانو یہ جسم ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل نباتات ہے اور نباتات ہی ترقی یافتہ صورت حیوان مطلق اور اس کی ترقی یافتہ شکل انسان - بالکل یہی شکل وحی کی ہے - یہ وحی آسمان و زمین سے مگس شہد، ملائکہ، حواری، یوکبد تک برابر ترقی کرتی گئی اور اس کی آخری ترقی وہ وحی ملفوظ ہے جو صرف پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے - اس ارتقا کو تناقض کے لفظ سے یاد کرنا صحیح نہیں -

ہمارے سائل محترم پر یہ خطرہ سوار ہے کہ اگر الہام کے وجود کا اعتراف کر لیا جائے تو نبوت کا دروازہ کھل جائے گا اور ختم نبوت ختم ہو جائے گا یعنی ہر کس و ناکس اٹھ کر دعوے کر بیٹھے گا کہ مجھے الہام ہوتا ہے - لیکن یہ خطرہ تو تنزیل کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے - ہر شخص دعوے کر سکتا ہے کہ مجھے تنزیل سے نوازا گیا ہے - یہ خطرہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر تم انسان کو متحرک بالارادہ مانتے ہو تو خبردار جانوروں کو متحرک بالارادہ نہ ماننا ورنہ وہ دعویٰ کر بیٹھیں گے کہ ہم بھی انسان ہیں - ایسے مدعیوں کے لئے ہمارے پاس بہت سے دوسرے علاج ہیں - اس کا یہ علاج نہیں کہ کسی حقیقت کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے -

اب رہی یہ بات کہ احادیث کو وحی خفی مانا جائے یا نہیں ؛ اگر مانا جائے تو کیا تمام احادیث کو الہامی مانا جائے یا کچھ کو ؛ اور وہ کون سے حصے احادیث کے ہیں جن کو الہامی تسلیم کرنا چاہیئے ؛ یا یہ چیز کہ تنزیل کے ہوتے ہوئے اس کے مقابلے میں الہام کی کیا حیثیت ہے وغیرہ وغیرہ تو ان سوالات کا جواب اس وقت مقصود نہیں - "مقام سنت" میں آپ کو یہ تمام مباحث مل جائیں گے ۔

ابلیس کیا تھا؟

حیدرآباد دکن سے جناب میر ولایت علی صاحب (مصنف اسلامی تعلیمات) دریافت فرماتے ہیں کہ:- ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟ اگر فرشتہ تھا تو اُس نے سجدۂ آدم سے انکار کیوں کیا جب کہ فرشتوں کی خاصیت یہ ہے کہ ویفعلون ما یؤمرون (انہیں جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے کر گزرتے ہیں) اور اگر جن تھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ کان من الجن (وہ جنوں میں سے تھا) تو کیا جن بھی مامور بہ سجدہ تھے؟ اگر تھے تو کیا باقی جنوں نے سجدہ کیا تھا جو ابلیس نہ کرنے سے راندا گیا؟ اور اگر جن مامور نہ تھے تو ابلیس سجدہ نہ کرنے کا مجرم کس طرح شمار ہوا؟

ثقافت ملائکہ کی تخلیق کس چیز سے ہوئی اس کا ذکر ہمیں قرآن میں نہیں ملا۔ انسان کی خلقت مٹی سے اور جنوں کی آگ سے ہوئی۔ ان دونوں باتوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ (خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار۔ ابلیس اپنے متعلق کہتا ہے (خلقتنی من نار وخلقتہ من طین (مجھے آگ سے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا) یہاں بات صاف ہو جاتی ہے کہ شیطان اور جن ایک ہی خلقت رکھنے کی وجہ سے ایک ہی چیز ہیں۔ اور یہی چیز ہے جسے قرآن کہتا ہے کان من الجن ففسق عن امر ربہ۔ ان کی مخلوقیت کی کیا شکل ہے یہ اللہ کو معلوم۔ ہم جہاں تک پہنچ سکے ہیں وہ یہ ہے یہ ایک آتشیں مادہ ہے جو انسان کے اندر اسی طرح موجود ہے جس طرح ملکیت موجود ہے۔ انسانیت کے آگے ان سب کو سجدہ ریز ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا خواہ وہ ملکیت ہو یا شیطنت (جنیت، لیکن تغلیباً حکم سجدہ کے سلسلے میں صرف ملائک کا ذکر آیا ہے۔ ملکیت جھک گئی اور شیطنت وجنیت اپنی فطرت کی وجہ سے منکر ہوئی۔ اور یہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہوئی تا آنکہ یہ انسانیت کے ارتقا میں ملکیت سے مل کر ایک وحدت نہ بن جائے یلعون وہی شیطنت ہے جس میں انفرادیت ہے۔ اگر اُسے ختم کر کے مسلمان کر لیا جاتے یعنی تقاضائے ملکیت سے ہم آہنگ کر لیا جائے تو اس کی ملعونیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان میں اگر غلبۂ شر ہو تو وہ جن یا شیطان ہوتا ہے جیسے قرآن نے یوں ظاہر کیا ہے کہ فاذا خلوا الی شیاطینھم ..... شیاطین الانس ... وغیرہ اگر اس میں غلبۂ خیر ہو تو اُسے ملک بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ان ھذا الا ملک کریم یہ تو فرشتہ صفت ہے (یہ جملہ زنانِ مصر نے سیدنا یوسف کے متعلق کہا تھا۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا ملکیت اصل انسانیت سے نیچے درجے کی چیز ہے) قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ جنوں کو بھی حکم سجدہ ہوا تھا لیکن ابلیس ان سب کا نمائندہ ہے اور اس کے ذکر میں ان سب کا ذکر شامل ہے۔ حکم سجدہ بظاہر صرف ملائکہ کو دیا گیا ہے لیکن یہ تغلیباً ہے اور تبعاً اسی حکم میں جن بھی

داخل ہیں اس لئے . . . . . الا ابلیس کا لفظ استثنائے منقطع کے لئے بلکہ اُسے استثنائے متصل ہی سمجھنا چاہیئے
یہاں ایک ضروری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ملک یا جن کے سجدے سے اس قسم کا سجدہ مراد نہیں جو انسان کرتے ہیں یعنی زمین پر پیشانی، ہاتھ، گھٹنے رکھ کر "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا۔ سجدے سے یہاں مراد صرف اظہار اطاعت کے لئے جھک جانا ہے۔ حضرت یوسف کو (خواب میں) جن شمس و قمر و کواکب نے سجدہ کیا تھا وہ ہمارے جیسا سجدہ نہ تھا۔ نیز ساری کائنات جو سجدہ کر رہی ہے ——— بمصداق الم تران اللہ یسجد لہ من فی السموات والارض الخ ——— وہ بھی انسانی انداز کا سجدہ نہیں۔ اسی طرح ملک و جن کے سجدے کا مطلب ان قوتوں کا اعلیٰ اور ارتقائی مقصد کے لئے مسخر ہو جانا ہے۔ یہ سجدہ قصۂ آدم کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ یہ ہنوز ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ قصۂ آدم و ابلیس و ملائکہ کوئی ڈرامہ نہیں تھا جو خدا کے آگے کھیلا گیا ہو، یہ بشریت، ملکیت اور ابلیسیت کی حقیقتوں، صلاحیتوں اور فطرتوں کی ایک حسین داستان ہے۔ بزبانِ حال ہم یہ قصہ پڑھتے ہیں کہ دیوار نے کھونٹی سے پوچھا کہ تو مجھ میں سوراخ کیوں کرتی ہے؟ کھونٹی نے جواب دیا کہ یہ سوال اُس سے کر جو مجھے ٹھونک رہا ہے ——— ظاہر ہے کہ نہ دیوار نے کوئی سوال کیا نہ کھونٹی نے جواب دیا بلکہ ایک قصے کے پیرائے میں ایک خاص حقیقت بیان کی گئی۔ "کلیلہ و دمنہ" ایسی ہی داستانوں سے بھری ہے۔ رومی و عطار نے اسی طرح کے بے شمار قصے لکھے ہیں۔ ان کا مقصد صرف ایک حقیقت کو بیان کرنا ہوتا ہے اڈرامائی انداز سے، قرآن نے بھی بشری، ملکی اور جنی فطرتوں کو بیان کرنے کے لئے اسی طرح کا دلنشین انداز اور پیرایۂ قصہ اختیار فرمایا ہے۔ اسی حقیقت کو رومی یوں بیان کرتے ہیں ؎

اے برادر قصہ چوں پیمانہ ایست ——— معنی اندر وے مثال دانہ ایست

قرآن ایسی مثالوں سے خالی نہیں اذ قال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ یاد کرو جب اللہ نے آسمان و زمین سے کہا کہ طوعاً یا کرہاً حاضر ہو جاؤ تو انہوں نے کہا ہم طوعاً حاضر ہیں۔ یا مثلاً یوم نقول لجہنم ھل امتلأت وتقول ھل من مزید ہم جہنم سے کہیں گے کہ تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی ابھی کچھ اور چاہیئے۔ ان جیسی مثالوں میں "قال" کا جو مفہوم ہے وہی قصۂ آدم و ابلیس میں بھی ہے یعنی یہ سب کچھ زبانِ حال کی ایک حقیقت کی ترجمانی ہے۔ اسی نقطۂ نگاہ سے حکم سجدہ اور اس حکم کی اطاعت و انکار کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ دنیا ہمیشہ اس واقعے کو ہبوط آدم کا قصہ سمجھتی رہی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے اسے "عروج آدم" کی داستان بنا کر پیش کیا ہے۔ اور یہ عروج اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب ملکیت کی طرح شیطنت کو بھی سجدہ ریز کر لیا جائے۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں جن سے کیا مراد ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے وہ جن مراد نہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ بہر حال یہ سردست میرے موضوع سے باہر ہے۔

سزائے رجم

راولپنڈی سے سلطان احمد صاحب لکھتے ہیں کہ رجم کی سزا قرآن میں نہیں ہے لیکن احادیث سے ثابت ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن میں پہلے آیت رجم موجود تھی جواب پڑھی تو نہیں جاتی مگر اس کا حکم باقی ہے۔ کیا آپ اسکی وضاحت فرمائیں گے

ثقافت: حدود سے مراد وہ سزائیں ہیں جو قرآن میں صریحاً مقرر کی گئی ہیں۔ کچھ سزائیں ایسی بھی ہیں جو قاضی کی سمجھ پر چھوڑی گئی ہیں ان کو تعزیر کہتے ہیں۔ حدود قرآن میں صرف چند جرائم کی ہیں۔ زنا کی سزا ہے سو کوڑے، تہمت زنا کی اسّی کوڑے اور چوری کی قطع ید ــــ اور تعزیرات کا اشارہ بھی قرآن ہی میں ہے مثلاً:

واللذان یاتیانہا فاذوھما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنھما الخ ۔ ۔ ۔ (۴: ۱۶)

جو دو مرد خلاف وضع فطری حرکت کریں انھیں مناسب سزا دو پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ان سے تعرض نہ کرو۔

(موضح القرآن میں اسکا مطلب خلاف وضع فطری حرکت بتایا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے)۔

اس میں سزا کی مقدار یا نوعیت معین نہیں کی گئی ہے۔ بس یہ حکم ہے کہ اتنی بھر مناسب سزا دو کہ وہ اپنی حرکت سے باز آ جائیں۔

اس طرح کی کئی تعزیرات کا احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے۔

جلد و رجم: ہمارے دور میں اکثر یہ بحثیں چھڑتی ہیں کہ اسلام میں زانی کے لئے رجم یعنی سنگساری کی سزا بھی ہے یا نہیں؟ ان دلائل و مباحث کا اعادہ یہاں مقصود نہیں۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ بائبل بھی کتاب اللہ ہے اور اس میں رجم کی سزا موجود ہے اور جب تک قرآن کے صریح احکام نازل نہ ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بائبل ہی کے احکام پر عمل فرماتے تھے۔ قرآن میں کوڑوں کی سزا کا مطلب ظاہر ہے کہ سزائے رجم کو ہلکا کر کے سزائے جلد میں تبدیل کر دیا گیا لیکن رجم کلیۃً ختم و نابود نہیں ہوا بلکہ اس کی حیثیت حد کی بجائے تعزیر کی سی رہ گئی۔ اگر جرم کی نوعیت سنگین تر ہو تو قاضی اب بھی یہ سزا دے سکتا ہے۔ ایک مجرد نوجوان کسی کے ساتھ رضا و رغبت بدکاری کرے اور دوسرا جو شادی شدہ اور سن رسیدہ بھی ہو اپنی محرمات کے ساتھ عین شب قدر میں بالجبر بدکاری کرے تو ظاہر ہے کہ دونوں جرم ہرگز ایک نوعیت کے نہیں ہونگے اور دونوں کو ایک ہی طرح کی سزا دینا کوئی انصاف نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سزاؤں میں قومی اور شخصی احوال کا لحاظ شریعت و قانون کا سب سے بڑا استون ہے سخت قسم کے جرائم پیشہ گروہوں کے لئے معمولی سزائیں کھیل ہوتی ہیں اور ایک نازک و مہذب سوسائٹی کیلئے تھوڑی سزا بھی بڑی کارگر ہو جاتی ہے۔ ان سارے مواقع کا پتہ ہمیں احادیث سے بھی چلتا ہے۔ اگر ان کو نظر انداز کر دیا جائے اور قانون کے مختلف پہلوؤں سے پہلوتہی کر لی جائے تو پورا دین محض ایک جامد سی چیز بن کر رہ جائیگا۔ آج بھی اگر کوئی اہل کتاب کا مقدمۂ زنا اسلامی عدالت میں آئے تو ان کو ان ہی کی کتاب کے مطابق سزائے رجم دی جائیگی۔

فرض کیجئے ایک شخص عین اس موقعے پر جبکہ دشمن کی فوج سرحد پر حملے کیلئے تیار کھڑی ہو۔ اسلحہ خانے کی چابی چرا لیتا ہے جس کی قیمت تین چار آنے سے زیادہ نہیں۔ وہ چور ہوگا (اور چور بھی ایسی معمولی قیمت کی چیز کا جس پر فقہا کے نزدیک قطع ید بھی نہیں) لیکن سوچیئے کہ کیا آپ اسے معاف کر دینگے یا صرف قطع ید کی سزا دینگے؟ اس کی شکل چوری کی ہے لیکن اصالۃً وہ جاسوس ہے

جس کے عوض موت بھی ایک معمولی سزا ہے، یہاں چوری کا لفظ نہیں دیکھا جائیگا اور نہ چوری کی سزا پر اکتفا کی جائیگی۔ یہاں فعل سرقہ کی رُوح دیکھی جائیگی اور اس کے مطابق سزا بھی دی جائیگی۔ یہی صورت مختلف قسم کی بدکاریوں میں بھی ہوسکتی ہے۔

آیت رجم: سزاؤں کا مقصد صرف سزا یا جرم کی تلافی ہی نہیں بلکہ سوسائٹی سے اس جرم کا خاتمہ کرنا ہے بعض اوقات صرف کوڑوں کی سزا بھی بہت زیادہ اور کسی وقت سنگساری بھی معمولی تعزیر ہوسکتی ہے۔ پس ان حالات میں ہمیں قرآن کریم کی سزائے جلد اور احادیث کی سزائے رجم میں کوئی تناقض نظر نہیں آتا۔ یہ حکم بھی کتاب اللہ کا ہے اور وہ حکم بھی کتاب اللہ ہی کا تھا۔ باقی رہا اس رجم کی تائید کے لئے یہ کہنا کہ یہ قرآن کی ایک آیت تھی جو منسوخ التلاوہ تو ہوگئی، مگر منسوخ الحکم نہیں ہوئی، بالکل لغو اور بے معنی سی بات ہے قطع نظر اس بات کے کہ اس سے قرآن پاک کی محفوظیت کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے ذرا یہ بھی دیکھئے کہ "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ" الخ کی زبان ذرہ برابر بھی قرآنی زبان معلوم ہوتی ہے؟ علاوہ ازیں دُنیا کے کس عربی لغت میں شیخ اور شیخہ کے معنی محصن و محصنہ کے لکھے ہیں جو لوگوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ محصن و محصنہ (شادی شدہ) کے لئے سزائے رجم ہے اور کنوارے کنواری کے لئے سزائے جلد؟ اور ایسی باتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا تو اور بھی مضحکہ خیز ہو جاتا ہے کجا یہ تشدد کی حدیث بیان کرنے والا یا تو دو گواہ لائے یا دُرّے کھانے کو تیار ہو جائے اور کجا یہ قول کہ "بخدا آیت رجم کتاب اللہ میں موجود تھی اور اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خوف نہ ہوتا کہ عمرؓ نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے، تو میں آیت رجم کو ضرور قرآن میں داخل کر دیتا" (ترمذی و مالک)۔ کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کہنے والے حضرت عمر صحتِ حدیث میں تو اتنے متشدد ہوں اور حفاظتِ قرآن کا معاملہ آئے تو اتنے ڈھیلے ثابت ہوں؟ شتان بینھما۔

اور اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت کے مطابق ابن عباس کے نزدیک واللذان یاتیانھا والا حکم جو قرآن میں موجود ہے وہ تو آیت جلد سے منسوخ ہوگیا اور جو آیت رجم سرے سے کہیں قرآن میں موجود ہی نہیں وہ آیت جلد کے ہوتے ہوئے بھی منسوخ نہیں۔ بس لکھنا پڑھنا تو ممنوع ہے اور حکم علی حالہ قائم ہے۔

سیدھی سی بات ہماری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ زنا کی اصلی سزا (حد) وہی "جلد" ہے جو قرآن نے بتائی ہے لیکن قاضی جرم کی سنگینی کی نوعیت کے پیشِ نظر تعزیراً رجم یا کوئی اور طریقۂ قتل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو زین نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ:

من وقع علی ذات محرم او قال من نکح ذات محرم فاقتلوہ۔

جو کسی محرم سے نکاح کرکے یا بلا نکاح مواصلت کرے اسے قتل کر دو۔

چنانچہ براء سے اصحاب سنن نے روایت کی ہے، کہ ایک شخص کو جس نے اپنے باپ کی زوجہ سے نکاح کیا تھا حضورؐ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ ایسا زانی یقیناً صرف جلد کا مستحق نہیں بلکہ سزاوارِ قتل ہے اور قتل ہی کا ایک طریقہ رجم بھی ہے یہ سب کچھ جرم کی نوعیت پر موقوف ہے۔ غرض قرآن ایسی عبرتناک سزا دیتا ہے، جو اس جرأتِ جرم کو ختم کر دے۔ (محمد جعفر)

بزمِ اقبالؒ

ملک کے مصنفین کو دعوت دیتی ہے کہ وہ علامہ اقبال کے شاعرانہ اور فلسفیانہ افکار کے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر انگریزی یا اردو کتابیں رسالے یا مقالے لکھیں۔

(۱) اقبال اور ملت (۲) اقبال کی شاعری (۳) اقبال اور فرد (۴) جمہوریت اشتراکیت اور اشتمالیت کے متعلق اقبال کا زاویہ نگاہ (۵) اقبال اور تخلیق ارتقا (۶) اقبال اور فلسفۂ طاقت (۷) فکر اقبال میں متصوفانہ عناصر (۸) مرد مومن (۹) اقبال کے مختلف میلانات کا توافق اور تضاد (۱۰) اقبال اور مغربی اور مغربی تہذیب فکر (۱۱) اقبال کی فکر میں قدامت پرستانہ اور ترقی پسندانہ رجحانات۔

جو اصحاب مندرجہ بالا موضوعات میں سے کسی ایک پر لکھنا چاہیں وہ اپنے موضوع کی نسبت معتمد بزم اقبال کو مطلع دیں۔ نیز یہ وضاحت بھی فرمائیں کہ ان کا مضمون اندازاً کتنے صفحات پر مشتمل ہوگا (صفحات کا سائز رسالہ اقبال کے سائز کے برابر ہونا چاہیئے) نیز وہ کتنے عرصے میں مضمون کی تکمیل کر سکیں گے۔ اور اسکا کیا معاوضہ چاہتے ہیں۔

مجلس ترقی ادب

کا قیام اس غرض سے عمل میں آیا ہے کہ ادب کی حفاظت اور حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور اس کو ترقی دینے کے لئے تمام ممکنہ تدابیر سے کام لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مجلس ادب عالیہ کی اشاعت کے علاوہ ان نئی کتابوں کو شائع کرنے میں بھی امداد کرے گی۔ جنہیں مصنفین منظوری کے لئے پیش کریں گے۔ بشرطیکہ ایسی تصانیف قابل اشاعت سمجھی جائیں مزید برآں مجلس ترقی ادب ہونہار اور قابل مصنفین کو ان کی تصانیف کے سلسلے میں امداد دے گی مختلف موضوعات پر کتابیں کھولائے گی اور ہر سال بہترین کتابیں لکھنے والوں کو انعام دے گی۔ علاوہ بریں مجلس اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے والے بہترین مقالوں اور نظموں پر بھی انعامات دے گی اور مختلف علمی اداروں اور انجمنوں کو ان کے کام کی جانچ کے بعد مالی امداد دینے کے مسئلہ پر بھی غور کرے گی۔

معتمد بزم اقبال و مجلس ترقی ادب۔ نرسنگ داس گارڈن۔ کلب روڈ لاہور (پاکستان)